آخری قسط

مذہب غیر پر فتویٰ وعمل تحلیل وتجزیہ

مولانا مفتی محمد سلیمان منصور پوری
رئیس دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد (انڈیا)

زیر نظر مقالہ (بعنوان مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل) کی آخری قسط ملاحظہ کر رہے ہو۔ مقالہ ھذا ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند کے چوتھے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷، ۱۸ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۴، ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء بمقام (دیوبند) پیش کیا گیا تھا مذکورہ مقالہ ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ کا تحقیقی جواب ہے۔ جو مولانا مفتی محمد سلیمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ اوران کے رفقاء افتاء نے انتہائی عرق ریزی سے ایک نایاب علمی تحقیق مرتب کی ہے اس مقالہ میں اپنے موضوع سے اصولی معلومات جمع کی گئی ہے جو یقیناً قارئین کے علمی معیار کو بلند کرنے میں نافع ثابت ہوں گے۔ امید ہے کہ قارئین بخوبی استفادہ کریں گے .... (ادارہ)

ذیلی عنوانات

نمبر شمار	ذیلی عنوانات	نمبر شمار	ذیلی عنوانات
(۱)	.... قصد مذموم کی نشانیاں	(۲)	.... مسئلے کی جانچ پڑتال
(۳)	.... پہلی صورت	(۴)	.... اجماع مطلق کی مثالیں
(۵)	.... اجماع مرکب کی مثالیں	(۶)	.... دوسری صورت
(۷)	.... مجتہدین منتسبین کا ایمہ اربعہ کے مسلک سے خروج	(۸)	.... ایک شبہ کا ازالہ
(۹)	.... تیسری صورت	(۱۰)	.... تلفیق کیا ہے
(۱۱)	.... تلفیق حقیقی	(۱۲)	.... تلفیق حقیقی کا حکم
(۱۳)	.... تلفیق مجازی	(۱۴)	.... تلفیق مجازی کا حکم
(۱۵)	.... چوتھی صورت	(۱۶)	.... پانچویں صورت
(۱۷)	.... چھٹی صورت	(۱۸)	.... خلاصہ
(۱۹)	.... سوالنامے کے جوابات	(۲۰)	متفقہ فیصلہ

قصد مذموم کی نشانیاں:

اس کے مقابلے میں درج ذیل تین چیزیں خاص طور پر قصد مذموم کی نشانی سمجھی جائیں گی۔

(۱) مفتی مجتہد کا ترجیح دلیل کے بغیر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا یعنی نہ تو وہاں کوئی ضرورت شرعی پائی جاتی ہو اور نہ مجتہد خود دوسرے قول کو راجح سمجھتا ہو پھر بھی دوسرے مذہب کو کسی وجہ سے اختیار کرلے تو یہ ممنوع ہوگا شیخ عبدالغنی نابلسیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ **فانه اذا كان له رأيين في مسئلة وعمل باحدهما يتعين له ماعمل به وامضاه بالعمل فلا يرجع عنه الى غيره الابترجيح ذلك الغير (خلاصة التحقيق ص ۵)** اور اگر مجتہد کی کسی مسئلہ میں دو رائیں رہی ہوں اور اس نے ایک رائے پر عمل کرلیا ہو تو عمل کردہ اس کے لئے متعین ہو جاتا ہے اور خود عمل کے ذریعہ وہ اس قول کو نافذ کر دیتا ہے لہذا اس قول سے اس وقت تک رجوع کرنا درست نہ ہوگا جب تک کہ دوسرے قول کی ترجیح نہ ظاہر ہو جائے۔

(۲) قصد مذموم کی دوسری نشانی یہ ہے کہ مفتی غیر مجتہد خواہ مخواہ بلا اہلیت وصلاحیت کے غیر مذہب پر فتوی دے لہذا ایسے فتوی کا شریعت میں کوئی اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ اسے تو صرف علماء ومشائخ مذہب کی رائے نقل کرنے کا حق ہے۔ اپنی طرف سے رائے دینے کا حق نہیں چہ جائیکہ مذہب سے خروج کا اختیار ہو۔ اصول بزدوی میں تحریر ہے۔ **اجمع العلماء والفقهاء على ان المفتى يجب ان يكون من اهل الاجتهاد وان لم يكن من اهل الاجتهاد فلا يحل له ان يفتى الا بطريق الحكاية ذكره (يعني في الكنز بحواله شمس التحقيق ص ۴)** علماء وفقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مفتی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے اور اگر وہ خود مجتہد نہ ہو تو اس کے لئے فتوی دینا حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ نقل کر کے فتویٰ دے۔

(۳) قصد مذموم کی تیسری بڑی نشانی یہ ہے کہ محض رخصتوں کی تلاش اور شہوت کی تکمیل کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا جائے یہ بھی بالکلیہ ممنوع ہے اور اس بنیاد پر خواہ مجتہد خروج کرے یا غیر مجتہد، کسی کو عدول عن المذہب کی ہرگز اجازت نہ ہوگی جیسا کہ ابتداء میں وضاحت ہو چکی ہے۔

بحث نمبر۳: مسئلہ کی جانچ پڑتال:

جس مسئلہ کی طرف مذہب سے خروج کیا جارہا ہے۔ اس کے بارے میں یہ تحقیق بھی ضروری ہوتی ہے کہ اسے اختیار کرنے میں کوئی شرعی خرابی تو لازم نہیں آرہی ہے۔ اس بحث کو مزید منقح کرنے کے لئے مسائل کا درج ذیل تجزیہ مناسب ہوگا۔

(۱) ..... ایسے مسئلہ کی طرف خروج جو حضرات صحابہ کی اجماعی یا قدر مشترک رائے کے خلاف ہو۔

(۲) ..... ایسے قول کی طرف خروج جو مذاہب اربعہ کے بالکل خلاف ہو۔

(۳) ..... ایسے مسئلہ کو اختیار کرنا جو مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کے ملاف ہو۔ مگر دوسرے کے موافق ہو۔

(۴) ..... ایسے قول پر فتویٰ دینا جو اگرچہ اپنے امام کے راجح مذہب کے خلاف ہو مگر اسی مذہب کے دیگر آئمہ کے موافق ہو۔ اور مشائخ مذہب سے اس کی ترجیحات بھی منقول ہوں۔

(۵) ..... ایسی رائے کو لینا جو ایک ہی مذہب کے کسی نہ کسی امام سے منقول ہو۔لیکن بعد کے مشائخ میں سے کوئی اس کا مؤید نہ ہو۔

(٦) ..... اپنے مذہب میں مسئلہ مصرح نہ ہونے کی بنا پر دوسرے مذہب سے اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنا۔

ان چھ صورتوں کے احکامات کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

پہلی صورت:

اگر مرجوع الیہ مسئلہ اجماع صحابہ کے خلاف ہو تو اس پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا مجتہد یا مقلد کسی کے لئے جائز اور درست نہیں ہے۔جیسا کہ کتب اصول میں اس کی صراحت ہے حتی کہ اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کے دو قول ہوں تو انہیں بالکلیہ چھوڑ کر تیسرا قول اپنانا بھی خلاف اجماع ہو۔شیخ عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں۔

اذا اختلف الصحابة فی قولین یکون اجماعاً علی نفی قول ثالث عندنا

جب صحابہ دو قول میں اختلاف کریں تو ہمارے نزدیک ان دو کے علاوہ تیسرے قول کی نفی پر اجماع سمجھا جاتا ہے۔

اور آگے چل کر فرماتے ہیں:

وقال بعض المتأخرین:الحق هو التفصیل وهو ان القول الثالث ان استلزم ابطال ما اجمعوا علیه لم یجز احداثهٗ والا جاز.

(توضیح وتلویح ۳۴۹ خلاصة التحقیق ١٧)

اور بعض متاخرین نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ اس طرح تفصیل کیجائے کہ اگر اس تیسرے قول سے اس رائے کا ابطال لازم آتا ہو جس پر صحابہؓ فی الجملہ متفق رہے ہوں تو ایسا قول لینا جائز نہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کا اجماع مطلق ہو یا اجماع مرکب (قدر مشترک) اس کا خلاف کرنا درست نہیں ہے۔

اجماع مطلق کی مثالیں:

اجماع مطلق کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) .... التقائے ختانین کے موجب غسل ہونے پر سبھی صحابہ کا اتفاق واجماع ہو گیا ہے۔اب کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ التقائے ختانین کے موجب غسل نہ ہونے کا قول کرے۔ (تفصیل دیکھئے شرح معانی الآثار ١/ ٣۵)

(۲) .... نکاح متعہ کی حرمت پر صحابہؓ کا اتفاق ہو چکا ہے۔ (ترمذی شریف ١/ ٢١٣) لہذا اب اگر کوئی مفتی متعہ کی حلیت کا قول کرے گا تو اس کا قول قطعاً قابل اعتبار نہ ہو گا۔

(۳)....ایک مجلس کی تین طلاقوں کو قضاءً تین ہی شمار کرنے پر صحابہؓ کا اجماع سکوتی اور آئمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے۔لہذا اس اجماعی رائے سے خروج کسی بھی حال میں اور کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔محقق ابن الہمامؒ نے نہایت مدلل انداز میں اس مسئلہ پر صحابہؓ کے اجماع کو ثابت کر کے آخر میں فرمایا ہے:

وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بان الثلاث هم واحدة لم ينفذ حكمهٔ لانه لا يسوغ الاجهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف.

(فتح القدير ۳۳۰/۳ کوئٹہ)

اسی بنیاد پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی قاضی یہ فیصلہ کرے کہ ایک زبان سے بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک کے حکم میں ہیں تو اسی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اسلئے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔اور یہ خلاف ہے اختلاف نہیں ہے۔

اس لئے عام طور پر جو یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کسی اہل حدیث عالم سے عدم طلاق ثلاث کا فتویٰ حاصل کرلے تو اس کے لئے شوہر اوّل کے ساتھ رجوع کے بعد بلا حلالہ رہنا جائز ہوگا۔بالکل بھی توجہ کے قابل نہیں ہے اس لئے کہ یہ رائے اجماع صحابہ کے خلاف ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ کے ان تفردات میں سے ہے جو خارق اجماع ہیں۔(علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ کے بہت سے اقوال امت کے سواد اعظم کے خلاف ہیں۔علامہ ابن حجر ھیثمیؒ نے فتاویٰ حدیثیہ میں ص ۸۷ پر ان کو شمار کیا ہے۔تفصیل وہاں دیکھی جائے)

اجماع مرکب کی مثالیں:

اجماع مرکب یعنی اختلاف آراء کی صورت میں نقطہ اشتراک سے تجاوز کی وضاحت درج ذیل مثالوں سے ہوگی۔

(۱) .... حاملہ عورت کے شوہر کا اگر وضع حمل سے پہلے انتقال ہو جائے تو اس کی عدت کب ختم ہوگی۔اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کی دو جماعتیں ہیں۔جمہورؒ کا قول یہ ہے کہ وضع حمل پر عدت ختم ہو جائے گی۔جبکہ حضرات ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے نزدیک وضع حمل اور عدت موت میں جو زمانہ لمبا ہو اس کے ختم ہونے پر عدت کا مدار رکھا جائے گا۔(بدایۃ المجتہد ۲/۱ ۷)

اب گویا کہ حق انہی دو رایوں میں منحصر ہو گیا۔لہذا اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صرف مہینوں پر عدت پورا ہونے کا مدار ہوگا۔خواہ وضع حمل ہو یا نہ ہو۔تو یہ ایسا قول ہوگا جو دونوں رایوں کے خلاف ہوگا۔بریں بنا اُسے اپنانا درست نہ ہوگا۔صاحب توضیح وتلویح فرماتے ہیں:

ونظیرہٗ انهم اختلفوا فی عدة حامل توفیٰ عنها زوجها فعند البعض تعتدّ با بعد الاجلين وعندالبعض بوضع الحمل فالاكتفاء بالاشهر قبل وضع الحمل قول ثالث لم يقل به احد (و قال بعد ذلك) فان الاكتفاء بالاشهر قبل الوضع منتف اجماعا امالان الواجب ابعد الاجلين واما لان الواجب وضع الحمل، هذا يسمى اجماعا مركبا فما به الاشتراك وهو عدم الاكتفاء بالاشهر مجمع عليه.

(التوضیح والتلویح ۳۵/۳۴۹، خلاصة التحقيق ۱۸)

اور اس کی نظریہ ہے کہ صحابہؓ نے اختلاف کیا ہے کہ حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کیا ہے؟ تو بعض کے نزدیک وضع حمل اور عدت موت میں جو زیادہ لمبی ہو وہی عدت ہے اور بعض کے نزدیک صرف وضع عدت ہے تو اب اگر کوئی یہ کہے کہ صرف عدت موت (۴ مہینے دس دن) عدت ہے خواہ وضع حمل ہو یا نہ ہو یہ ایسا تیسرا قول ہوگا جس کا کوئی قائل نہیں ہے۔ (آگے فرماتے ہیں) کیونکہ وضع حمل سے قبل محض مہینوں سے عدت شمار کرنا اجماعاً مردود ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ واجب دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت ہے یا اس قول کی بنا پر کہ وضع حمل عدت ہے۔ اسے اجماع مرکب کا نام دیا جاتا ہے تو جو چیز قدر مشترک ہے یعنی محض مہینوں پر عدت کا مدار نہ ہونا یہ مجمع علیہ ہے۔

(۲)..... بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو کل مال ملے گا۔ یا مقاسمہ کے طریقہ پر ترکہ کی تقسیم ہوگی۔ اس بارے میں جمہور صحابہ کی رائے یہ ہے کہ دادا کل مالیت کا وارث ہوگا اور اس کی موجودگی میں حقیقی اور علاتی بھائی بہن محروم ہونگے جبکہ بعض صحابہ مثلاً حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ حضرات کے نزدیک دادا کو ایک بھائی کے درجہ میں رکھ کر ترکہ کی تقسیم ہوگی۔ ان دونوں اقوال میں اتنی بات مشترک ہے کہ دادا ایسی صورت میں محروم نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص تیسرا قول یہ اختیار کرلے کہ دادا محروم ہو جائیگا۔ تو اس کا یہ قول خلافِ اجماع ہوگا۔ توضیح وتلویح میں تحریر ہے:

وفی الجد مع الاخوة اتفاق الفريقين واقع .

(توضیح وتلویح ۳۵۰)

اور بھائیوں کے ساتھ دادا کی موجودگی میں فریقین کا اتفاق موجود ہے۔ (کہ دادا محروم نہ ہوگا)

فائدہ:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر صحابہؓ کے مختلف فیہ مسلک کے علاوہ کوئی تیسرا قول لیا جائے جس سے صحابہؓ کے اجماع مرکب اور قدر مشترکہ کا ابطال نہ لازم آتا ہو تو ایسے قول کو اختیار کرنا مجتہد مطلق کے لئے فی الجملہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر شوہر میں جذام، برص، جنون، جب وعنہ اور رتق وقرن پائے جانے کی صورت میں بعض صحابہؓ کے نزدیک سب میں عورت کو حق فسخ ثابت ہے۔ اور بعض کے نزدیک کسی میں حق فسخ ثابت نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص بعض میں حق فسخ ثابت کرے اور بعض میں نہ کرے تو ایسی صورت میں وہ

بالکلیہ اجماع کے خلاف کرنے والا نہ ہوگا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک رائے پر عامل اور دوسری رائے کا تارک کہلائیگا۔یعنی جن چیزوں میں فسخ ثابت کررہا ہے ان میں قائلین فسخ کا متبع ہوگا۔اور جن چیزوں میں فسخ کا انکار کررہا ہے اُن میں مانعین فسخ کی رائے لینے والا ہوگا۔اور اس تیسرے قول کے ممنوع نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اصولاً یہ ضروری ہے نہیں ہے کہ مجتہد صرف ایک ہی صحابی کی رائے کا پابند ہو۔دوسرے کی رائے نہ لے سکے۔ بلکہ مجتہد کو اس طرح پابند بنانا اجماعاً باطل ہے۔

(تفصیل ملاحظہ فرمائیں توضیح وتلویح ۳۵۰)

دوسری صورت:

اگر کسی عالم کا اختیار کردہ مسئلہ ایسا ہے جو آئمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب سے میل نہیں کھاتا تو اس صورت میں طبقات فقہاء میں دوسرے طبقہ یعنی مجتہدین منتسبین کو تو کسی درجہ میں چھوٹ دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بلند پایہ اجتہاد کی بدولت اس قول کو اختیار کرلیں۔کیونکہ وہ صرف اصول میں مجتہد مطلق کے مقلد ہیں، جزئیات میں وہ کسی کے پابند نہیں ہیں۔شیخ عبدالغنی نابلسیؒ لکھتے ہیں:

واھل الاجتھاد المقید یجب علیھم تقلید اھل الاجتھاد المطلق فی اصول مذاھبھم فقط دون الفروع کابی یوسف ومحمد ونحوھما من اھل الاجتھاد المقید. (خلاصۃ التحقیق ۱۶)

اور مجتہدین فی المذہب پر مطلق مجتہدین کی تقلید اصول میں لازم ہے مگر وہ جزئیات میں اس کے پابند نہیں ہے جیسے حضرات صاحبینؒ اور ان کے درجہ میں فقہاء جو مجتہد مقید ہیں۔

لیکن مجتہدین منتسبین سے نیچے درجہ کے کسی مجتہد یا مفتی کو آئمہ اربعہ سے خارج کسی قول کو اختیار کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

مجتہدین منتسبین کا آئمہ اربعہ کے مسلک سے خروج:

ذیل میں ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں مجتہدین منتسب نے ایسی رائے اختیار کی ہے جو آئمہ کی رائے کے خلاف ہے۔

(۱)....امام زفرؒ وغیرہ کے نزدیک تیمّم میں نیت شرط نہیں ہے۔جبکہ بقیہ تمام ائمہ کے نزدیک تیمّم کی صحت کے لئے نیت شرط قرار دی گئی ہے۔ (ہدایہ ۵۱/۱)

امام زفرؒ کا یہ مذہب ائمہ اربعہ کے خلاف ہے۔لیکن چونکہ وہ خود اجتہاد مقید کے درجہ پر فائز ہیں۔اسلئے ان کا یہ قول اختیار کرنا ممنوع نہ ہوگا۔

(۲).... امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جنبی کو حالت جنابت میں بلا وضو وغسل سونے کی مطلق اجازت ہے۔وضوء اس کے لئے مستحب نہیں ہے۔جمہور علماء وائمہ کے نزدیک جنبی کے لئے وضوء کرکے سونا مستحب ہے۔مگر امام ابو یوسفؒ کا قول جمہور کے خلاف ہونے کے باوجود اپنی جگہ صحیح ہے۔اس لئے کہ وہ مجتہد مقید ہیں۔ (طحاوی شریف ۷۵/۱)

(۳)…. اگر مقتدی صرف دو ہوں تو جمہور ائمہ کے نزدیک امام آگے بڑھ کر نماز پڑھائے گا جبکہ اس صورت میں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام دونوں مقتدیوں کے درمیان میں اسی صف میں کھڑا ہوگا۔ (ہدایہ ۱/۱۲۳)

امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں اگرچہ جمہور ائمہ کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ مگر ان جیسے مجتہد کے لئے ایسا کرنا جائز اور درست ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانا خلاف اجماع ہے تو ان مجتہدین منتسبین کے لئے کیسے جائز ہوگیا کہ وہ ائمہ اربعہ سے خروج کریں اس لئے کہ بات اصل میں یہ ہے کہ مجتہدین منتسبین جو رائے بھی اپناتے ہیں وہ درحقیقت ان کے امام ہی کا کوئی نہ کوئی قول ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اس بات پر قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم نے جو بھی قول اختیار کیا ہے وہ ماضی میں ہمارے امام کا قول رہ چکا ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں:

قال ابو یوسفؒ ما قلت قولاً خالفت فیه ابا حنیفةؒ الا قولاً قد کان قالهُ وروی عن زفرؒ انه قال ما خالفت اباحنیفة فی شئ الا قد قالهُ ثم رجع عنه.
(شرح عقود رسم المفتی ۶۵)

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے کوئی بھی ایسا قول اختیار نہیں کیا جس میں مَیں نے امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی ہو مگر وہ قول دراصل امام صاحبؒ ہی کا ارشاد فرمودہ تھا۔ اور وہ امام زفرؒ سے مروی ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت نہیں کی الا یہ کہ ایسا قول اختیار کیا جو آپ نے فرمایا تھا پھر اس سے رجوع کرلیا تھا۔

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا بظاہر ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانا خلاف اجماع نہیں ہے کیونکہ ان کے اقوال اپنے امام ہی کی روایتوں پر مبنی ہیں۔ واللہ اعلم

تیسری صورت:

اگر اپنے مذہب کو چھوڑ کر ایسا قول اختیار کیا جا رہا ہے جو ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے خلاف مگر دوسرے کے موافق ہے تو ذیل شرائط کے ساتھ اُسے اختیار کرنے کی اجازت ہے۔

پہلی شرط:

(۱)…. ضرورت معتبرہ پائی جائے (جیسا کہ ضرورت کی بحث میں تفصیل آچکی ہے)

دوسری شرط:

(۲)…. رخصت کے اتباع کا خیال نہ ہو بلکہ مجتہد اپنے اجتہاد کی بنا پر اس قول کو اختیار کر رہا ہو۔ (جیسا کہ اہلیت کی بحث میں اس

جانب اشارات گزر چکے ہیں۔

تیسری شرط:

(۳) .... جوقول لیا جائے وہ اس امام کی تمام شرائط وآداب کی رعایت کے ساتھ لیا جائے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نے ضرورت کے وقت جمع بین الصلوٰتین کی اجازت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ایسا ضرورت مند حنفی جب جمع بین الصلاتین کریگا تو اُسے مذہب شافعی کے مطابق حالت اقتداء میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ اسی طرح وضوء کے بعد مس ذکر اور مس مرأۃ سے اجتناب کرنا ہوگا۔ دیکھئے (الشامی ۳۸۲/۱ ، البحر ۲۵۴/۱ ، اعلاء السنن ۸۶/۲ مقدمہ) اور درمختار میں ہے:

ولا بأس با التقليد عند الضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يو جبه ذلك الامام لما قدمنا ان الحكم الملفق باطل بالاجماع. (درمختارا /۳۸۲)

چوتھی شرط: تلفیق کیا ہے؟

اور چوتھی اہم ترین شرط یہ ہے کہ اس قول کو اختیار کرنے سے تلفیق خارج اجماع نہ لازم آرہی ہو۔ اس شرط کو سمجھنے کے لئے تلفیق کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کے اقسام کو جان لینا ضروری ہے۔ تلفیق کے لغوی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کے آتے ہیں۔

معجم لغة الفقهاء میں تحریر ہے:

التلفيق ضم حصة الىٰ اُخرىٰ (معجم لغة الفقها ۱۴۴) — تلفیق ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملانے کا نام ہے۔

اور اصطلاحی تعریف یہ ہے:

القيام بعمل يجمع فيه بين عدة مذاهب حتىٰ لا يمكن اعتبار هذا العمل صحيحاً فى اى مذهب من المذهب (معجم لغة الفقها ۱۴۴) — ایسا کام کرنا جس میں کئی مذہب اس طرح جمع ہو جائیں کہ کسی بھی مذہب کے اعتبار سے وہ عمل صحیح قرار دینا ممکن نہ رہے

اور صاحب قواعد الفقہ نے تلفیق کی تعریف اس سے زیادہ عام الفاظ میں فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

التلفيق تتبع الرخص عن الهوىٰ. (قواعد الفقه ۲۳۶) — تلفیق کے معنی خواہش نفس کے تابع ہوکر رخصتوں کا تلاش کرنا ہے۔

ان تعریفات سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ اصل میں لفظ تلفیق کا اطلاق حقیقۃً اس شکل پر ہی ہوگا جس میں (عمل واحد کی صورت میں) خرق اجماع لازم آرہا ہو، اور (دو عمل میں ہونے کی شکل میں) تتبع رخص پائی جارہی ہو۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ جو تلفیق کی (جائز) شکلیں ہیں وہ حقیقۃً تلفیق نہیں، بلکہ مجازاً ان پر تلفیق کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ ہماری اس توجیہ وتطبیق سے وہ اشکالات حل

ہو جائیں گے جو تلفیق کے بارے میں فقہاء کی بعض متضاد عبارتوں سے معلوم ہوتے ہیں کہ بعض عبارات میں نفس تلفیق ہی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور بعض میں تلفیق کی اجازت دی گئی ہے تو جہاں منع ہے وہ تلفیق حقیقی ہے اور جہاں اجازت ہے وہ تلفیق مجازی ہے۔

تلفیق حقیقی:

تلفیق کی حقیقی شکل کو پیش نظر رکھ کر شیخ عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں۔

متی عمل عبادة او معاملة ملفقة اخذاً لها من کل مذهب قولاً لا یقول به صاحب المذهب الأخر فقد خرج عن المذاهب الاربعة واخترع له مذهباً خامساً فعبارتهٗ باطلة ومعاملته غیر صحیحة وهو متلاعب فی الدین الخ (خلاصة التحقیق۱۷)

جب کوئی عبادت یا معاملہ ملا جلا کر اس طرح انجام دے کہ ہر مذہب سے ایسا قول لے جس کا قائل دوسرے مذہب والا نہ ہو۔ اور وہ معاملہ مذاہب اربعہ کی حدود سے خارج ہو جائے اور ایک پانچواں مذہب بن جائے تو ایسی عبادت باطل ہے۔ اور ایسا معاملہ صحیح نہیں ہے۔ اور ایسا کام کرنے والا شخص دین سے کھلواڑ کرنے والا ہے۔

اسی بنا پر استاد ابو اسحٰق اسفرائینی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم مجتہدین کے بیس ہزار ایسے اقوال جانتے ہیں جن کا خلاف کرنے سے عمل کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ **(شمس التحقیق فی ابطال التلفیق ۱۴)**

ذیل میں تلفیق حقیقی کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) .... وضو کرنے کے بعد پچھنے لگوائے، اور عورت کو مس کر لیا۔ تو کسی امام کے نزدیک اس کا وضو باقی نہیں رہا۔ حنفیہ کے نزدیک تو اس لئے کہ خروج دم پایا گیا۔ اور دیگر حضرات کے نزدیک اسلئے کہ مس عورت کا تحقیق ہوا۔ لہذا یہ عمل ملفق بالاجماع باطل ہوگا۔ اور اس وضو سے پڑھی گئی نماز کا اعتبار نہ ہوگا۔ توضیح میں لکھا ہے:

فان من احتجم ومس المرأة لا تجوز صلوتهٗ بالاجماع اما عندنا فللاحتجام واما عند الشافعی فللمس. (التوضیح ۳۵۲)

اس لئے کہ جو شخص پچھنا لگوائے اور عورت کو مس کر لے تو اس کی نماز بالاجماع درست نہیں۔ ہمارے نزدیک اسلئے کہ اُسے پچھنے لگوائے (اور خون کا خروج ہو گیا) اور امام شافعیؒ کے نزدیک اسلئے کہ اس نے عورت کو چھو لیا (جو ان کے نزدیک ناقص وضو ہے۔)

(۲) .... کوئی شخص امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے ایسے دو قلہ سے کم پانی سے وضو کرے جس میں نجاست پڑی ہو اور پھر مسح کرتے وقت سر کا استعاب نہ کرے (جو مالکیہ کے نزدیک فرض ہے) بلکہ بعض سر پر مسح کر کے نماز پڑھ لے تو کسی کے نزدیک بھی نماز درست نہ ہوئی۔

(۳)....مالکیہ کے نزدیک وضو میں اعضاء مغسولہ کو رگڑ نا ضروری ہے۔اور وضو کے بعد عورت کو بلاشہوت چھونا ناقص وضو نہیں ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک مس مرأت ناقص وضو ہے اور دلک ضروری نہیں ہے۔اب اگر کوئی شخص رگڑ نے کے ضروری نہ ہونے کے متعلق امام شافعیؒ کے قول کو لے،اور مس مرأۃ کے ناقض نہ ہونے کے بارے میں امام مالکؒ کے قول پر عمل کرے تو دونوں میں سے کسی کے نزدیک اس کا وضو صحیح نہ ہوگا۔امام مالکؒ کے نزدیک اس لئے کہ رگڑ نا نہیں پایا گیا۔اور شوافع کے یہاں اسلئے کہ مس مرأۃ پایا گیا۔لہذا اس تلفیق کی بناپر ایسے وضو سے پڑھی گئی نماز درست نہ ہوگی۔ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

فمن قلد الشافعیؒ فی عدم فریضة الدلك للاعضاء المغسولة فی الوضوء والغسل ومالك فی عدم نقض اللمس بلا شهوة للوضوء فتوضاً ولمس بلا شهوة وصلی ان كان الوضوء بدلك صحت صلوتهٗ عند مالكؒ وان كان بلادلك بطلت عندهما ای عندالشافعی ومالك.

(التحریر بحواله خلاصة التحقیق ۲۰)

پس جو شخص دھوئے جانے والے اعضاء کے رگڑ کے فرض نہ ہونے کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کی تقلید کرے۔ اور عورت کو بلاشہوت چھونے سے وضو ٹوٹنے کے مسئلہ میں امام مالکؒ کے مذہب کی پیروی کریں، پھر وہ وضو کرے اور شہوت کے بغیر عورت کو چھوکر نماز پڑھ لے تو اگر اس نے اعضاء مغسولہ کو رگڑ کر وضو کیا ہے تو اس کی نماز امام مالکؒ کے نزدیک درست ہو جائیگی لیکن اگر رگڑے بغیر وضو کیا ہے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کسی کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی۔

(۴)... احناف کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے لیکن ولی ہونا ضروری نہیں ہے۔جبکہ مالکؒ کے نزدیک گواہ ضروری نہیں ہے مگر ولی کا ہونا ضروری ہے۔اب اگر کوئی شخص حنفیہ کی تقلید کرتے ہوئے ولی کو ضروری قرار نہ دے،اور مالکیہ کا قول لیتے ہوئے گواہوں کی موجودگی ضروری نہ سمجھے،اور بلاولی اور بلاگواہ نکاح کرے،تو وہ حقیقۃً تلفیق کرنے والا ہوگا۔اور دونوں اماموں میں سے کسی کے نزدیک بھی اس کا نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر اس طرح نکاح کے بعد وطی کریگا تو اسے حد لگائی جائے گی۔

صاحب خلاصۃ التحقیق نقل کرتے ہیں:

ولو نكح بلا ولی ولا شهود ایضاً تقلیداً لهما حد كما قاله الرافعی لان الامامین اباحنیفة وما لكاً اتفقا علی البطلان. (خلاصة التحقیق ۲۱)

اور اگر بغیر ولی اور بغیر گواہوں کی موجودگی کے دونوں امام کی تقلید کرتے ہوئے نکاح کرے تو حد لگائی جائے گی۔جیسا کہ امام رافعیؒ نے فرمایا ہے۔اسلئے کہ دونوں امام،امام ابوحنیفہ اور امام مالک ایسے نکاح کے باطل ہونے پر متفق ہیں۔

تلفیق حقیقی کا حکم:

حقیقی تلفیق کا حکم یہ ہے کہ وہ کسی بھی حال میں کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے خواہ اُسے اختیار کرنے والا مجتہد ہو یا مقلد۔ اور چاہے اُسے ضرورۃً اختیار کیا جائے یا بلا ضرورت۔ اسی لئے علامہ عبدالغنی فرماتے ہیں:

اذا کان المجتهد لا یسوغه التلفیق اذا ادی اجتهادهٗ الیه علی حسب ما قد منا فکیف بالمقلد القاصر.

(خلاصة التحقیق ۲۵)

جب خود مجتہد کے لئے اس کے اجتہاد کے تقاضے باوجود تلفیق کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کردیا تو مقلد عاجز کیلئے (اس کا کیسے تصور کیا جا سکتا ہے)

اور علامہ موصوفؒ نے شیخ محمد بغدادیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

وهذا الشرط أصعب الشروط علی العوام ولهذا قالوا سبب منع العوام عن التقلید خوف وقوعهم فی ممنوع بالاتفاق وهم لا یعلمون ولذلك قالوا الایصح للعامی التقلید الاّ بالاستفتاء عن خصوص ما اراد تقلید.

(خلاصة التحقیق ۲۱)

اور یہ عوام کے لئے سب سے مشکل شرط ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ عوام کو اپنے امام کو چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید سے مخالفت کا سبب یہ بھی ہے کہ وہ ایسے معاملہ میں پڑ سکتے ہیں جو بالاتفاق ممنوع ہو اور انہیں اس کا پتہ نہ چل پائے اور اسی بناپر فقہاء نے فرمایا کہ عام شخص کیلئے اس وقت تک دوسرے امام کی تقلید جائز نہیں جب تک وہ اپنی خاص پیش آمدہ صورت کے بارے میں علماء سے استفتاء نہ حاصل کرلے۔

الغرض تلفیق کی یہ خارق اجماع صورت بہرحال ممنوع ہے اور حضرات فقہاء عموماً اپنی عبارتوں میں تلفیق سے اسی ممنوع صورت کو مراد لیتے ہیں بعض حضرات نے قاضی خان کی بعض عبارتوں سے اسی طرح علامہ ابن نجیمؒ کی بعض ابحاث سے تلفیق کے جواز پر استدلال کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اولاً ان محتمل عبارتوں کو تلفیق کی مخالفت پر آمدہ صریح عبارتوں پر ترجیح نہیں دی جا سکتی دوسرے یہ کہ وہ سب تلفیق مجازی کی صورتیں ہیں جن میں خرق اجماع لازم نہیں آتا اس بحث کو ختم کرتے ہوئے شیخ عبدالغنیؒ نہایت زوردار انداز میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان جمیع هذه الوجوه التی استدل بها هذا القائل بالتلفیق الخارق للاجماع المعتبر بذالك فاسدة لا اعتداد بها ولایجوز اعتبار ذالك منه لمخالفته للصریح فی منع التلفیق کما ذکرنا.

(خلاصة التحقیق ۲۵)

اور خلاصہ یہ کہ تمام وجوہات جن سے خارق اجماع تلفیق کا قائل یہ شخص استدلال کرتا ہے بالکل فاسد ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں اور ان میں سے کسی بھی وجہ کا کچھ بھی لحاظ نہیں رکھا جا سکتا اس لئے کہ وہ تلفیق کی صراحۃً مخالفت کے حکم کے معارض ومخالف ہے۔

تلفیق مجازی:

تلفیق کی دوسری شکل وہ ہے جس پر محض لغوی معنی کے اعتبار سے تلفیق کا اعتبار کیا جاتا در حقیقت وہ تلفیق نہیں ہے اس لئے ہم نے اسے مجازی تلفیق کا نام دیا ہے اس کی اگر ہم تعریف کرنا چاہیں تو اسی طرح کر سکتے ہیں کہ دوسرے مذہب کو اس طرح اختیار کرنا کہ اس سے کوئی امر خارق اجماع نہ لازم آتا ہو۔ تلفیق مجازی کی صورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ دو الگ الگ مسئلوں میں الگ الگ امام کی رائے لی جائے یا ایک ہی مذہب کے ائمہ کے مختلف اقوال جمع کر لئے جائیں غور کیا جائے تو اس طرح کی تلفیق کی تین صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔

(الف): پہلی صورت یہ ہے کہ ایسے دو مستقل مسئلوں میں تلفیق کی جائے جو آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہوں مثلاً وضو میں چوتھائی سر سے کم مسح کیا اور نماز میں قرات فاتحة خلف الامام چھوڑ دی۔ یعنی وضو شافعیہ کے مطابق کیا اور نماز حنفیہ کے مطابق پڑھی تو بظاہر اس میں بھی خرق اجماع نظر آتا ہے کہ وضو حنفیہ کے نزدیک درست نہ ہوا اور نماز شافعیہ کی نظر میں صحیح نہ ہوئی مگر چونکہ یہ تلفیق الگ الگ اعمال میں ہے اس لئے اسے تلفیق حقیقی کی طرح ممنوع نہ کہیں گے (دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ حاشیہ ۳) مگر چونکہ وضو اور نماز کے اعمال میں ارتباط پایا جاتا ہے اس لئے یہ صورت غیر مستحسن ہے احتیاط یہ ہے کہ اسے اختیار نہ کیا جائے۔

(ب): دوسری صورت یہ ہے کہ الگ الگ دو مسئلوں میں دو اماموں کا قول لیا جائے یعنی ایک مسئلہ کا دوسرے مسئلہ کی صحت وحرمت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مثال کے طور پر حنفیہ کے نزدیک مس بالشھوۃ کی وجہ سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہو جاتی ہے، جبکہ مالکیہ کے نزدیک بعض صورتوں میں مس بالشھوۃ سے حرمت مصاہرہ ثابت نہیں ہوتی۔ (مثلاً وہ صورت جبکہ بیوی سمجھ کر بیٹی کو چھولے وغیرہ) یہ تو ایک مسئلہ ہوا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جماعت مسلمین قاضی کے قائم مقام نہیں ہوتی اور مالکیہ کے نزدیک قاضی نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین قاضی کے قائم مقام ہو جاتی ہے تو اگر کوئی شخص حرمت مصاہرۃ کے بارے میں حنفیہ کے رائے پر عمل پیرا ہو اور جماعت مسلمین کے قاضی کے قائم مقام ہونے کے بارے میں مالکیہ کا مذہب اختیار کرے تو یہ دو ایسے مسئلوں میں تلفیق کرنیوالا ہو گا جو آپس میں ایک دوسرے سے مربوط نہیں ہیں۔ (دیکھئے حاشیہ الحیلۃ الناجزۃ ۷۸)

یہ بھی حقیقی تلفیق نہیں بلکہ مجازی تلفیق کی صورت ہے اور شرائط کیساتھ اسے اختیار کرنا جائز ہے۔

(ج): تلفیق مجازی کی تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی مذہب کے دو اقوال کو آپس میں ملا دیا جائے خواہ ایک ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو۔ مثلاً حنفیہ میں سے حضرات طرفینؒ کا مسلک یہ ہے کہ محرم ایام النحر میں اگر خارج حرم حلق یا قصر کرے تو اس پر دم واجب ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ خارج حرم حلق وقصر دونوں صورتوں میں کوئی دم واجب نہیں ہے۔ (ہدایہ ا ص ۲۷۶)

اب کوئی شخص حلق کی صورت میں طرفینؒ کا مذہب اختیار کرے اور قصر کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر عمل کرے تو

یہ بھی تلفیق مجازی کی صورت ہوگی۔اور اہلیت رکھنے والے شخص کو شرائط کے ساتھ اسے اختیار کرنے کی اجازت دی جائیگی اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مذہبوں کے اصول ایک ہی ہیں۔اس لئے ان میں تلفیق حقیقی کی صورت نہیں پائی جاسکتی۔

تلفیق مجازی کا حکم:

جیسا کہ درمیان میں اشارۃ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مجازی تلفیق کی مذکورہ تینوں شکلیں فی الجملہ جائز ہیں۔ان میں اول قسم عام حالات میں غیر مستحسن ہے۔جبکہ بقیہ دو شکلیں غیر مستحسن بھی نہیں ہیں۔مگر تلفیق مجازی اختیار کرتے وقت درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا پھر بھی ضروری ہوگا۔

(الف):۔ اہلیت اجتہاد رکھنے والا شخص یا ذی رائے اشخاص اس تلفیق کو اختیار کریں۔(مستفاد شرح عقود رسم المفتی ۷۹)

(ب):۔کوئی شرعی ضرورت پائی جائے۔(جس کا بیان پہلے آچکا ہے)

(ج):۔ اس دوسرے مذہب کا کوئی مفتی یا قاضی موجود نہ ہو۔اگر موجود ہوگا تو اسی سے مبتلی بہ رجوع کریگا۔اپنے مذہب کے مفتی کو ایسی صورت میں تلفیق کی ضرورت نہ ہوگی۔چنانچہ الحیلۃ الناجزہ میں مالکیہ کے مسلک پر جماعت مسلمین کو قاضی کے قائم مقام بنانے کے متعلق یہ ہدایت تحریر کی گئی ہے۔ملاحظہ فرمائیں

ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر کسی جگہ مالکی قاضی بھی ہو، یا جہاں بالکل قاضی نہیں، اگر وہاں مالکی لوگوں کی پنچایت ہو تو حنفی قاضی اور حنفی پنچایت کی طرف رجوع نہ کیا جائے اور اگر کوئی رجوع کرے تو ان کو مالکی مذہب پر فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ مالکی قاضی یا مالکی پنچایت میں معاملہ بھیج دیا جائے۔ (الحیلۃ الناجزہ ۲۳)

حاصل یہ کہ مذکورہ تین جامع شرائط کے ساتھ تلفیق مجازی کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

پانچویں شرط:

ائمہ اربعہ کے مذاہب کی طرف خروج کرنے کی شرط یہ ہے کہ جس مسئلہ کو اختیار کیا جا رہا ہے اس پر پہلے عمل نہ کیا ہو۔اگر کسی وقت ایک امام کے قول پر عمل کیا اور دوسرے وقت دوسرے امام کا قول لے لیا تو یہ بھی (بلا ضرورت اور بلا تبدیلی اجتہاد) جائز نہ ہوگا۔ مثلاً جب حق شفعہ لینے کا وقت آئے تو کوئی شخص حنفیہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے جوار کی بنیاد پر حق شفعہ کا دعویٰ کردے۔اور جب حق شفعہ کا دعویٰ اپنے اوپر ہو جائے تو کہے کہ میں امام شافعیؒ کے مذہب کو لیتا ہوں، جن کے نزدیک جوار کی صورت میں حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا، تو اس کا اس طرح دو وقتوں میں الگ الگ مذہب کو لینا درست نہیں ہے اس لئے کہ تقلید کے بعد خواہ مخواہ اس کا ترک خلاف اجماع ہے۔شیخ عبدالغنی نابلسیؒ کی درج ذیل وضاحت سے اس شرط پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

قال ابن الهمام وحكم المقلد في المسئلة الاجتهادية كالمجتهد فانه اذا كان لهٗ رأيين في مسئلةٍ وعمل باحدهما يتعين لهٗ ما عمل به وامضاه بالعمل فلا يرجع عنه الى غيره الا بترجيح ذلك الغير كمن اشتبهت عليه القبلة في جهتين او جهاتٍ فاختار واحدة يتعين لهٗ هذهٖ الجهة مالم يرجح الاخرى. وكذا القاضي فيمالهٗ رائيين فبه بعد ان حكم وامضاه بالحكم في احدهما، فالمقلد اذا عمل بحكم من مذهب لا يرجع عنه الى اخر من مذهب اخر. (خلاصة التحقيق۵)

ابن الہمامؒ نے فرمایا: اور اجتہادی مسئلہ میں تقلید کرنے والے کا حکم بھی مجتہد کے مانند ہے۔ یعنی جب کسی مسئلہ میں مجتہد کی دو رائیں ہوں اور وہ ان میں سے ایک پر عمل کرے تو وہی رائے اس کے لئے متعین ہوجاتی ہے اور نافذ ہوتی ہے۔ حتی کہ دوبارہ دوسری رائے کی ترجیح کے بغیر اس کیلئے اس عمل کردہ رائے سے رجوع درست نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص پر قبلہ مشتبہ ہوجائے کہ کس جہت میں ہے تو جس جہت کو قبلہ بنالے گا وہی جہت قبلہ کیلئے متعین ہوجائیگی۔ جب تک کہ دوسری جہت کے قبلہ ہونے کی وجہ ترجیح نہ پائی جائے اسی طرح قاضی جب اپنی دو رائیوں میں سے ایک رائے پر فیصلہ کردے تو بھی یہی حکم ہے۔ بالکل اسی طرح مقلد جب کسی ایک مذہب کے حکم کی پیروی کرے تو وہ اس مذہب سے دوسرے مذہب کے حکم کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔

اسی عبارت سے معلوم ہورہا ہے کہ تقلید کے بعد اس سے رجوع کرنا اسی وقت ممنوع ہے جبکہ کوئی ضرورت نہ پائی جائے اور مجتہد اپنے اجتہاد سے دوسرے مذہب کو ترجیح نہ دے۔ لہذا اگر ضرورت پائی جائے گی۔ یا کوئی مجتہد اپنے اجتہاد کی بنیاد پر دوسرے قول کو ترجیح دیگا تو اس کا یہ عمل درست رہے گا اسی بناء پر مقلد مجتہد کے لئے یہ جائز ہے کہ ایک وقت کسی امام کے مذہب پر نماز پڑھے۔ پھر اپنے اجتہاد کے بدل جانے کی وجہ سے دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کرلے اور اسی کے مطابق نماز پڑھے تو یہ اس کے لئے جائز ہوگا۔ یہ ساری تفصیلات فقہیہ اور مقلد محقق کیلئے ہیں ورنہ عامی آدمی تو صرف اپنے مذہب کے مفتی کی تابعداری کریگا۔ اور مفتی اس کی ضرورت دیکھ کر فتویٰ صادر کریگا۔

چوتھی صورت:

جس مسئلہ کی طرف خروج کیا جارہا ہے اگر وہ اپنے مذہب ہی کے کسی مجتہد منتسب کا قول ہے تو اگر اکثر مشائخ نے اس پر فتویٰ دیا ہے تو وہی عمل کیلئے متعین ہے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۸۹)

اور اگر اکثر مشائخ اس کے خلاف رہے ہیں لیکن ایک معتدبہ جماعت کا رجحان مجتہد منتسب کے قول کی طرف بھی ہے تو طبقات فقہاء میں سے تین سے چھ طبقات تک کے حضرات کو دلیل کی بنیاد پر مذہب کے غیر راجح قول کو ترجیح دینے کی اجازت دی جائیگی۔ اور ان سے نیچے طبقے کے حضرات بھی مجتہدین کی رائے پر عمل کرسکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وکلام البحر صریح فی ان المحقق ابن الھمام من اھل الترجیح حیث قال عنہ انہ اھل للنظر فی الدلیل وح فلنا اتباعہٗ فیما یحققہٗ ویرجحہٗ من الروایات والاقوال مالم یخرج عن المذھب.

(شرح عقود رسم المفتی ۷۷)

اور البحر الرائق کا کلام اس بات پر صریح ہے کہ محقق ابن الہمامؒ ترجیح کی اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ صاحب بحر نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل میں غور وفکر کی صلاحیت رکھتے ہیں۔لہذا ہمارے لئے تحقیق کردہ اور راجح کردہ اقوال وروایات کی اتباع کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ وہ اقوال مذہب سے بالکلیہ خارج نہ ہوں۔

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ مجتہد فی المذہب کی رائے پر بعد کے طبقہ کے لوگ بھی عمل کرنے کے مجاز ہیں۔مثال کے طور پر امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہونے اور عصر کا وقت شروع ہونے کا قول کیا ہے۔ حالانکہ یہ مذہب حنفیہ کے ظاہر مذہب کے خلاف اور حضرات صاحبین وغیرہ کے مذہب کے موافق ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۲۲۶)

لہذا اگر کوئی مقلد حنفی حرمین شریفین میں جماعت کے ثواب کے حصول کے لئے وہاں کے ائمہ کے مطابق مثل اول کے بعد عصر پڑھ لے تو اس کے لئے اس امر کی گنجائش ہونی چاہئے۔

پانچویں صورت:

جو مسئلہ اختیار کیا جارہا ہے اگر اس کی تائید مذہب کے دیگر مشائخ سے کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، گو کہ وہ مسئلہ خارج مذہب نہیں ہے تو مجتہد کے لئے ایسا قول لینے کی گنجائش ہوگی۔غیر مجتہد اور عامی آدمی کے لئے اس قول کو اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔

علامہ شامی نقل فرماتے ہیں۔

ھل یجوز للانسان العمل بالضعیف من الروایۃ فی حق نفسہٖ ؟ نعم اذا کان لہٗ رأی اما اذا کان عامیاً فلم اراہ. لکن تقییدہ بذی الرأی انہٗ لا یجوز للعامی ذلک .قال فی خزانۃ الروایات العالم الذی یعرف معنی النصوص والاخبار وھو من اھل الدرایۃ یجوز لہٗ ان یعمل علیھا وان کان مخالفاً لمذھبہٖ.

(شامی بحوالہ خلاصۃ التحقیق)

کیا اپنی ذات کی حد تک عمل کیلئے انسان کو ضعیف روایت پر عمل کرنے کا حق ہے؟ ہاں بشرطیکہ وہ شخص ذی رائے ہو لیکن اگر ایسا شخص عامی ہو تو اس بارے میں صریح جزئیہ میں نے نہیں دیکھا مگر ذی رائے کی قید سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عامی شخص کیلئے ضعیف پر عمل جائز نہ ہو خزانۃ الروایات میں تحریر ہے کہ وہ عالم جو احادیث وآثار کے معانی جانتا ہو اور وہ اہل درایت میں سے ہو تو اس کیلئے ضعیف روایت پر عمل درست ہے اگرچہ وہ خلاف مذہب ہو۔

تو معلوم ہوا کہ مذہب کا ضعیف قول سوائے مجتہد مفتی کے کسی اور کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ الّا یہ کہ ضرورت داعیہ پائی جائے جیسے کہ ۱۴ مسائل میں حضرات مشائخ نے امام زفرؒ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے۔

چھٹی صورت:

اگر دوسرے مذہب سے لیا گیا مسئلہ ایسا ہے جس کے بارے میں اپنے مذہب میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اور وہ مسئلہ ہمارے قواعد واصول سے ٹکراتا بھی نہ ہو تو اس قول کو لینے کی اجازت فقہاء کے عمل سے معلوم ہوتی ہے اور غیر مجتہد مفتی بھی اس پر فتویٰ دے سکتا ہے۔ مثلاً

(۱).... اذان حریق وغیرہ میں ائمہ شافعیہ سے جواز کا قول نقل کیا گیا ہے۔ (شامی ۱/۳۸۵)

(۲).... معتدہ کے لئے رات میں سرمہ لگانے کی اجازت شافعیہ سے منقول ہے۔ (شامی ۳/۵۳۲)

(۳).... بعض شافعیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ نجس ذکر کے ساتھ دوبارہ جماع ممنوع ہے۔ (شامی ۱/۳۹۸)

اور تتبع سے اس طرح کے بہت سے مسائل مل جائیں گے۔ فقہاء بکثرت دوسرے اماموں کی عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

خلاصہ:

ان تینوں بحثوں (اہلیت، ضرورت، اور مسئلہ کی تحقیق) کا خلاصہ یہ ہے کہ عدول عن المذہب جائز ہے جبکہ:

(الف):۔ ضرورت داعیہ پائی جائے۔

(ب):۔ تلفیق حقیقی نہ پائی جائے۔

(ج):۔ جو قول لیا جائے وہ تمام شرائط کے ساتھ لیا جائے۔

(د):۔ معتبر علماء ومحققین اس کام کو انجام دیں (محض تشہی اور رخصت مطلوب نہ ہو) اور عدول عن المذہب جائز نہیں جبکہ:

☆ تلفیق حقیقی (خارق اجماع) لازم آتی ہو۔

☆ بلا ضرورت خروج کیا جائے۔

☆ اختیار کردہ قول ائمہ اربعہ کے خلاف ہو۔

☆ غیر اہل خروج کی جسارت کرے۔ اور

☆ ایک مذہب پر عمل کر کے خواہ مخواہ چھوڑ کر دوسرے امام کا مذہب اختیار کر لیا جائے۔

فقہ کی عام کتابوں میں زیادہ تر اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مذہب سے خروج کرنے والا خواہ مجتہد ہو یا مقلد۔ محض رخصتوں اور خواہشات کا اتباع کرنے والا نہ ہو۔ اسی طرح تلفیق نہ لازم آتی ہو۔

لیکن اس زمانہ میں مذکورہ تمام شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا ورنہ فسادِ زمانہ کی وجہ سے لوگ رخصتوں کے متلاشی بن جائیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے یہی تحریر فرمایا ہے۔

سوالنامہ کے اجمالی جوابات:

سوالنامہ کے جوابات اگر چہ متفرق طور پر گزشتہ اوراق میں آچکے ہیں لیکن سہولت کے لئے سوالوں کے اجمالی جوابات درج کئے جا رہے ہیں۔

﴿۱﴾:۔ اجازت ہے۔

(ا)..... ☆خاص حالات میں اور بوقت ضرورت ہی اجازت ہے۔

(ب)..... ☆ضرورت سے یہاں تکلیف نا قابل برداشت مراد ہے۔

(ج)..... ☆عامہ اور خاصہ دونوں ضرورتوں کا اعتبار ہے اور دونوں کی وجہ سے عدول عن المذہب کی اجازت ہوتی ہے۔

(د)..... ☆عبادات اور معاملات دونوں میں ضرورت پائے جانے کے اعتبار سے فرق نہیں ہے۔

(ہ)..... ☆ضرورت عامہ ایسی ضرورت ہے جس کے پورا نہ ہونے سے عوام تک مشقت پہونچتی ہو۔

﴿۲﴾: اور شرائط بھی ہیں، مثلاً تلفیق نہ کرنا، اہلیت اجتہاد رکھنا وغیرہ

﴿۳﴾: عدول عن المذہب کے لئے مفتی کو مجتہد فی المذہب کے درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور اس زمانہ میں چونکہ ایک شخص میں یہ صفات جمع ہونا دشوار ہے اسلئے اگر چند متدین علماء ضرورت محسوس کرلیں تو ان کی رائے سے خروج عن المذہب ممکن ہے۔

﴿۴﴾: نہیں ہے۔

﴿۵﴾: تلفیق کے معنی ملانے کے آتے ہیں اس کے اقسام اور احکامات تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں درج کئے گئے ہیں۔
☆تلفیق مجازی کی شکلیں دائرہ جواز میں آتی ہیں۔
☆تلفیق کے ناجائز ہونے کی بنیادی وجہ اس کا خارق اجماع ہونا ہے۔

﴿۶﴾: ائمہ اربعہ سے خارجی قول کسی بھی حال میں لینا جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ پر عمل نہ کرنے پر اجماع امت ہو چکا ہے۔

﴿۷﴾: اہلیت ترجیح رکھنے والا شخص اپنی ترجیح کی بنیاد پر قول ضعیف کو اپنا سکتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۷،۵،۱۴۱۵ھ ۱

متفقہ فیصلہ:

چوتھا فقہی اجتماع ۲۴،۲۵ اکتوبر ۱۹۹۴ء:

جمہور امت کا اتفاق ہے کہ آج کل تمام مسلمانوں پر چاروں مدون مذاہب میں سے کسی ایک معین مذہب کی پیروی واجب ہے اور امت کی شیرازہ بندی کیلئے یہ امر ضروری بھی ہے۔ آج بھی تجدد پسند طبقہ کی جانب، سے یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب تمام فقہاء مجتہدین کے مذاہب اپنی اپنی جگہ درست ہیں تو جس قول میں سہولت ہو اس کو اختیار کرلیا جائے کسی مذہب معین کا التزام نہ کیا جائے اسی طرح معمولی عذر کی وجہ سے دوسرے مسلک کے امام کے قول کو اختیار کرنیکا نظریہ پایا جاتا ہے، یہ دونوں نہایت خطرناک رجحانات ہیں جو اتباع ہویٰ اور خودرائی کی بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں اور انسانوں کو خدا کی بندگی اور احکام شریعت کی اطاعت سے دور کرنے اور دین کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کے مترادف ہیں، اتباع ہویٰ اور خودرائی کے رجحانات کو خدانخواستہ تقویت ملی تو امت مسلمہ سخت انتشار سے دوچار ہو جائیگی۔ حسب تصریح فقہاء قول ضعیف پر عمل یا دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنا مخصوص حالات ہی میں درست ہے اور اس پر فتویٰ کیلئے اعلیٰ فقہی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ جو آج کل انفرادی طور پر مفقود ہے اسلئے ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کا چوتھا فقہی اجتماع اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کرتا ہے۔

(۱):۔ عام حالات میں اپنے معین مذہب سے خروج کرنا اور فقہی مذاہب میں پائے جانے والی سہولتوں کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ بدرجہ مجبوری خاص حالات میں مندرجہ ذیل ضوابط کی رعایت کرتے ہوئے ان سہولتوں سے استفادے کی مشروط اجازت دی جاسکتی ہے۔

(ا) ☆ خاص حالات میں جو قول اختیار کیا جائے وہ مذاہب اربعہ ہی کے دائرے میں ہو کیونکہ دیگر مذاہب باقاعدہ مدون نہیں ہیں۔

(ب) ☆ ضرورت داعیہ (بمعنی اضطرار یا ناقابل برداشت تکلیف) پائی جائے خواہ ضرورت عامہ ہو" یا" خاصہ عبادات میں ہو "یا" معاملات میں۔

(ج) ☆ ضرورت وہی معتبر ہوگی جس کو اہل بصیرت ارباب فتاویٰ اجتماعی فیصلے کی بنیاد پر تسلیم کرلیں۔

(د) ☆ جس امام کے قول کو اختیار کیا جائے اس کی تمام شرائط ملحوظ رکھی جائیں۔

(ہ) ☆ دیگر مذاہب کا قول اقوال شاذہ میں سے نہ ہو۔

(و) ☆ تلفیق حرام (خارق اجماع) لازم نہ آئے۔

(۲) اسی طرح کے خصوصی حالات میں اہل بصیرت ارباب فتاویٰ کے اجماعی فیصلے کی بنیاد پر اپنے مذہب کے قول ضعیف کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حواشی

☆......واضح رہے کہ ذیل میں دیا گیا عبارت سابقہ تمام قسطوں پر جامع انداز سے نقاط ذکر کیئے گئے ہیں۔

۱؎ اس کے مقابلے میں تین اور صورتیں ہیں۔

(۱) قیاس اور استحسان دونوں کو اثر مضبوط ہو اس صورت میں قیاس راجح ہے۔

(۲) استحسان کا اثر کمزور اور قیاس کا اثر مضبوط ہو اس صورت میں بھی قیاس کو ترجیح ہے۔

(۳) قیاس اور استحسان دونوں کا اثر کمزور ہو تو یا دونوں کو ساقط کر دیا جائے گا یا پھر قیاس پر عمل کریں گے تو معلوم ہوا کہ اس طرح کی چار قسموں میں سے صرف ایک قسم میں استحسان کو قیاس پر ترجیح ہے بقیہ اقسام میں قیاس ہی معمول بہ ہے (توضیح تلویح ۳۹۵)

تحقیق مناط کی مثال:

حدیث میں فرمایا گیا من اکل من هذه الشجرة منتنةفلايقربن مسجد نا فان الملائكة تأذى مما يتأذى منه الانس (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۰۹) یعنی لہسن پیاز کھا کر مسجد میں نہ آؤ کیونکہ ملائکہ کے لئے بھی اسی طرح اذیت کا باعث ہے جیسے ان انسانوں کیلئے اب علت حرمت یہاں نص میں موجود ہے لہذا جہاں بھی ایذا پائی جائے یہی حرمت کا حکم ہوگا مثلا بیڑی وغیرہ کی بدبو۔

تخریج مناط کی مثال:

ربوا کے بارے میں چھ چیزوں کا حکم بیان کیا گیا یہ نص غیر معلول ہے اس سے علت کی تخریج میں فقہاء کا اختلاف ہو گیا حنفیہؒ نے قدر مع الجنس شافعیہ نے طعم وثمنیت اور مالکیہ نے اقتیات وادخار وغیرہ کی الگ الگ علتیں نکالیں۔ (مسلم مع النووی ج ۲ ص ۲۴)

تنقیح مناط کی مثال:

ایک اعرابی نے رمضان کے روزہ کے دوران بیوی سے جماع کرلیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اب اس حکم کی کئی علتیں ہوسکتیں ہیں اعرابی ہونا، بیوی سے جماع کرنا، رمضان میں ایسا کرنا، اس کا قصدا روزہ توڑ دینا۔ تو احناف وموالک نے افطار کی علت متعین کی جبکہ شوافع وحنابلہ نے قصدا بیوی سے جماع کی علت متعین فرمائی۔ (مقدمہ تاتارخانیہ ج ۱ ص ۲۳)

۲؎ علامہ شامیؒ نے اس شکل کو اس طرح حل کیا ہے وان المراد بالمجتهد فی المذهب هم اهل الطبقة الثالثة من الطبقات السبع المارة وان الطبقة الثانية وهم اصحاب الامام اهل اجتهاد مطلق الاانهم قلدوه فی اغلب اصوله وقواعده بناء علی ان المجتهد له ان يقلد آخر (شرح عقود رسم المفتی ص ۷۵)

۳؎ مگر ایسے حضرات کا تفرد دوسے لوگوں کے لئے حجت نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆